دوسرے گروہ نے ان قواعد کلیہ کو جنہیں ائمہ کی ایک جماعت نے تنقیح و تہذیب کے بعد مرتب کیا تھا ، بغیر ان کے ماخذوں کی طرف التفات کئے لے لیا - چنانچہ جب کوئی ان کے سامنے مسئلہ پیش ہوتا ہے - تو وہ ان قواعد کلیہ سے اس کے جواب کو تلاش کرتے ہیں اور یہ فقہاء کا اصل طریقہ ہے -

پہلا یعنی محدثین کا طریقہ بعض سلف کے ہاں غالب تھا - اور ان میں سے بعض دوسرے طریقے پر عامل تھے - یہ جو کہا جاتا ہے کہ حماد بن سلیمان ، ابراہیم نخعی کے مسائل کا سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتے تھے ' تو ان مسائل '' سے مراد وہ قواعد کلیہ ہیں - جن کا ابراہیم نخعی نے اپنے فتووں میں اثبات کیا اور ان کی تنقیح و تہذیب کی ' اب چوں کہ امام مالک کتاب الموطا میں سنت سے وہ قواعد مراد لیتے ہیں - جو اہل مدینہ کے ہاں مقرر تھے - اور وہ اس سلسلے میں بار بار لکھتے ہیں '' سنت جس کے بارے میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں اور وہ یہ ہے '' اس لئے عبد الرحمن بن مہدی اپنے اوپر کے قول میں اس طرف گئے ہیں - چنانچہ انہوں نے کہا ''سفیان ثوری ، احادیث اور آثار صحابہ کو ان کی صحیح اسناد کے ساتھ روایت کرتے ، لفظ حدیث کی اقامت' ابواب فقہ میں حدیث کی تقسیم ، اور ہر باب میں احادیث کی ترتیب میں کوفہ میں امام ہیں ، الاوزاعی ابواب فقہ میں سے ہر باب میں سلف کے جو قواعد ہیں، ان کی معرفت کے امام ہیں- باقی رہے امام مالک- تو یہ ان دونوں امور میں ، اور جو لوگ فن حدیث سے شغف و اشتغال رکھتے ہیں ' ان کے ہاں یہ بات اس طرح ثابت ہے ، جیسے نصف النہار کا سورج، عبدالرحمن بن مہدی کا یہ بھی قول ہے کہ میں نے مالک رح سے زیادہ عقل مند کوئی نہیں دیکھا -

اجتہاد کی کا راستہ اور اس کی صورت

مجھے اس امر پر انشراح صدر اور یقین ہو گیا ہے کہ روئے زمین پر اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب الموطا ہے - اسی طرح مجھے اس بات پر بھی پورا یقین ہو گیا ہے کہ جس شخص کے پیش نظر تدقیق و تحقیق ہو ' اس پر آج اجتہاد اور فقہ کی تحصیل کا راستہ (یعنی تفصیلی دلائل سے احکام شرعی

معلوم کرنا) بند ہے سوائے اس کے کہ یہ تحقیق کا طالب الموطا کو اپنا نصب العین بنائے اور اس کی مرسل احادیث کے اتصال اور ائمہ محدثین کی کتابوں کا مطالعہ کر کے صحابہ اور تابعین کے اقوال کے ماخذ معلوم کرنے کی جد و جہد کرے ۔ اس کے بعد وہ (مذاھب فقہ میں فقہائے مجتہدین کے مسلک پر گامزن ہو ' یعنی الفاظ کے مفہوم کو محدود کرنے ، دلائل کو تطبیق دینے ' رکن و شرط و آداب کی توضیح کرنے ' جامع و مانع قواعد کے اخذ کرنے ' احکام کی علتوں کو جاننے اور ان کی عمومی و خصوصی علت کے لحاظ سے تعمیم و تخصیص کرنے اور اس طرح کے دوسرے امور میں بعد ازاں وہ امام شافعی وغیرہ کے تعقبات کو جیسے کہ امام محمد بن الحسن کے امام مالک سے روایت کردہ الموطا اور کتاب الحجج تعقبات ھیں ' سمجھنے کی کوشش کرے ۔ اس کے بعد جو مختلف اقوال ھیں ۔ ان کی تطبیق اور ان میں سے جو احسن ہو ' اس کی ترجیح میں کوشاں ہو ۔ اور اس طرح وہ ان مسائل میں دلائل کی بنا پر یقین یا غالب ظن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی معرفت حاصل کرے ۔ یہ جو اجمالاً کہا گیا ، اس کی تفصیل یہ ہے ۔

ہر زمانے میں اجتہاد فرض کفایہ کی طرح ضروری ہے ۔ یہاں اجتہاد سے مراد استقلالی اجتہاد نہیں ۔ جیسے کہ امام شافعی کا اجتہاد تھا ۔ کیونکہ امام شافعی نہ تو رجال روایت کے حسن و قبح یعنی ان کی تعدیل و تجریح میں اور نہ الفاظ کے معانی وغیرہ کے تعین کے لئے کسی اور کے محتاج تھے ۔ اسی طرح وہ اجتہادی فہم و درایت کے جملہ انواع میں بھی کسی اور کے تابع نہ تھے ' بلکہ وہ اس زمانے کی اصطلاح میں مجدد ملہم تھے ۔

یہاں اجتہاد سے مراد اجتہاد منتسب ہے ۔ اور وہ عبارت ہے تفصیلی دلائل سے احکام شرعی کی معرفت اور مجتہدین کے طریقے پر ضمنی احکام کی تخریج و استنباط اور ترتیب سے ' خواہ یہ کسی '' صاحب مذھب '' کے قواعد کے تحت ہی ہو ۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض ہے(۱)

(۱) مولانا سندھی حاشیے میں لکھتے ھیں ۔
فقہ حنفی کی کتاب ھدایہ میں ہے :— قاضی کا منصب قضا پر تقرر اسی

(اہل علم میں سے محققین کے ہاں یہ امر تسلیم شدہ ہے) تو اس کا باعث اور سبب یہ ہے کہ مسائل بڑی کثرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور وہ غیر محدود ہیں اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کو جاننا واجب ہے اور جو کچھ مدون و مکتوب شکل میں موجود ہے ۔ وہ ناکافی (۲) ہے ۔ پھر اس میں بہت سے اختلافات ہیں اور دلائل کی طرف رجوع کئے بغیر ان کا حل ممکن نہیں ۔ علاوہ ازیں ائمہ مجتہدین سے جو مسائل مروی ہیں ' ان کے طرقہ ہائے روایت اکثر منقطع ہیں ' جس کی وجہ سے ان پر اعتماد کر کے دل کو اطمینان نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ ان مروی مسائل کو اجتہاد و تحقیق کے قواعد کی کسوٹی پر پرکھے بغیر بات نہیں بنتی ۔

وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ ایک تو اس میں شہادت کی تمام شرائط پائی جائیں اور دوسرے وہ اہل اجتہاد میں سے ہو۔ اجتہاد کے بارے میں اصول فقہ میں بحث کی گئی ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ صاحب حدیث ہے۔ تو اسے فقہ کی معرفت ہو تاکہ وہ آثار کے معانی جان سکے اور اگر صاحب فقہ ہے' تو اسے حدیث کی معرفت ہوتا کہ جہاں نص موجود ہو ' وہاں وہ قیاس سے کام نہ لے۔ نیز ضروری ہے کہ قاضی ذہانت و فطانت سے بہرہ ور ہو ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں کی عادات سے واقف ہو ۔ کیونکہ بعض احکام ایسے ہوتے ہیں جن کی بنیاد ان پر ہوتی ہے ۔ عبید اللہ السندھی الدیوبندی)

(۲) مولانا سندھی حاشیے میں لکھتے ہیں ۔

فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ میں ہے :- بے شک استنباط و استخراج کرنے والے متقدمین نے ہر جلی و دقیق مسئلے کے متعلق احکام وضع کئے ہیں ۔ لیکن حوادث برابر واقع ہوتے رہتے اور امور اتنے در پیش آتے ہیں کہ وہ محدود نہیں ہو سکتے ۔ چنانچہ جو اصول و احکام مرتب ہو چکے ہیں ، ان سے اقتباس کر کے نئے مسائل کا حل اور پہلی مثالوں کو سامنے رکھ کر ان سے نتیجہ نکالنا اصحاب علم کا کام ہے - اور ماخذوں کی واقفیت ایک ایسی چیز ہے کہ اسے مضبوطی سے پکڑا جائے (عبیداللہ السندھی الدیوبندی)

یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اجتہاد کا راستہ سوائے اس جہت کے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ بند ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو مرفوع احادیث ہیں وہ اکیلی سارے احکام کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے لامحالہ صحابہ اور تابعین کے آثار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ سوائے الموطا کے، اس وقت صحابہ اور تابعین کے ان آثار پر کوئی بھی ایسی جامع کتاب نہیں، جو علماکی مخدوم ہو اور مجتہدین کے ایک طبقے کے بعد دوسرے طبقے نے اس پر غور و خوض کیا ہو۔ اس شخص کو جو کتب ماثورہ (احادیث و آثار) سے جو کہ اصول شرع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ واقف ہے۔ نیز وہ ان کے بارے میں اہل علم کی رائے اور ان کی شرح کے سلسلے میں مجتہدین کے نقطہ ہائے نظر کو جانتا ہے، الموطا کے اس امتیاز کے متعلق کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ باقی رہے اس زمانے کے کوتاہ عقل اور مغفل، جو کلی طور پر اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں اور وہ نکیل ڈالے ہوئے اونٹوں کی طرح ادھر ادھر ہنکائے جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ ان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے۔ وہ ایک اور وادی میں ہیں اور انہیں ان امور کو سمجھانا ناممکن ہے۔

خلق اللہ للحروب رجالا
و رجالا لقصعۃ و ثرید

اللہ تعالیٰ نے بعض لوگ جنگوں کے لئے پیدا کئے ہیں اور بعض لوگ صرف ناؤنوش کے لئے)۔